بین المذاہب ہم آہنگی ورواداری کے بنیادی اُصول

قرآن وسنت کی روشنی میں

* ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب
** ڈاکٹر محمد حماد لکھوی

Because of its open vision, Islam pays very much importance on inter-faith harmony and religious tolerance. It present it before the world as a complete rule. All the prophets from Hazrat Adam (AS) to Hazrat Muhammad (PBUH) gave instructions to their followers. Allah (Subhana Ho Tallah) specifies in Quran that same religion is designated for Hazrat Muhammad (PBUH) which was assigned to Nooh (AS), Ibrahim (AS), Mosa (AS) and Essa(AS). And that all the prophets were asked to establish the same religion and were forbidden to create differences. Islam has established a rule that religion is not a matter of compulsion but a matter of acceptance by mind and heart. It is mandatory for the Muslims to believe in all the Prophets at equal level. Islam describes all the creations as Allah's family; deserving for love, affection and tolerance. As far as the rights of the believers of other religions is concerned, Islam makes it obligatory for the Islamic government to guard their prayer places, never do any injustice in the decisions regarding them, give them equal status in respect of human rights, ensure the safety of their life, honor, property and future. Hazrat Muhammad (PBUH) demonstrated practical examples of religious harmony and tolerance in the first Islamic state of Madina which were also followed by Khulfa-e-Rashdeen and the rulers afterwards. This article is mainly prepared to show that Islam is one of the religions that stress upon inter-faith harmony and dialogue.

اسلام نے اپنی وسعتِ نظری کے تحت مذہبی ہم آہنگی ورواداری کا دائرۂ کار بہت وسیع رکھا ہے۔ آنحضور جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ میں آباد تمام اہلِ کتاب جن میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور عیسائی جو مدینہ اور اس کے اردگرد آباد تھے، آپ نے ان اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) اور اسلامی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے اسلامی حکومت

* ڈائریکٹر، اسلامک ریسرچ سینٹر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ اہلِ کتاب کے عقائد کا احترام کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی ایذا سے بچایا جائے گا۔ اس معاہدہ کے ذریعہ آپ نے اہلِ کتاب کے ساتھ مذہبی رواداری کے اُصولوں کی بنیاد رکھی۔ اسلام نے مشرک، بُت پرستوں کے ساتھ بھی رواداری کا درس دیا ہے کہ ان کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ مذہبی طور پر ان کو مکمل آزادی ہے جس کا حکم قرآن مجید میں اس طرح آیا کہ

لَاتَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ [۱]

اور تم ان کے معبودوں کو جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں بُرا نہ کہو کہ وہ سرکشی سے بے سمجھے اللہ کو بُرا کہیں گے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مذاہب کے افراد کے ساتھ مذہبی رواداری کے دائرہ کار کو وسعت دی ہے کہ کسی مذہب کے پیروکاروں کو ان کے عقائد کے بارے میں ملامت نہ کیا جائے کیوں کہ وہ تمھارے عقائد توحید و رسالت کے بارے میں بھی وہی رویہ اختیار کریں گے جس سے مذہبی نفرت میں اضافہ ہونے کا امکان ہے۔

دستوری بنیادیں

اسلام نے ہم آہنگی اور رواداری کو ایک کامل اُصول اور مکمل دستور کے طور پر مضبوط بنیاد کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس کی بنیاد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک ایک ہی بیان کی ہے، فرمایا کہ

۱ - شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحاً وَّالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَاتَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ [۲]

اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا گیا اور جس کا حکم آپ کو بھی دیا گیا اور جس کا حکم ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو بھی دیا کہ قائم کرو دین کو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔

اسی طرح تمام انبیاءؑ کا درجہ نفسِ رسالت بھی مساوی حیثیت کا حامل ہے۔ کسی کو کسی پر کوئی خاص فضیلت حاصل نہیں ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام انبیاءؑ پر ایمان لائیں۔

۲ - قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ

اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. [۳]

کہو! ایمان لائے ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا اُس پر، جو کچھ نازل کیا گیا ہے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر سب پر ایمان لائے اور اُس پر بھی جو دیا گیا موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور جو دوسرے انبیاءؑ کو ان کے ربّ کی طرف سے۔ ہم (بلحاظ نبوت) نبیوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

ان دونوں آیات میں اسلام نے رواداری کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاءؑ ایک ہی شریعت سے وابستہ رہے ہیں۔ لہٰذا ان میں اختلاف اور انتشار اور مذاہب کا آپس میں اختلاف کوئی جواز نہیں رکھتا۔ لہٰذا تمام اہلِ مذاہب دوسرے مذاہب اور شرائع کا احترام کریں۔

اس سلسلہ میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۳۶ میں تو مسلمانوں کے لیے یہ بات ایمان کا حصہ بنادی گئی ہے کہ تمام انبیاء سابقہ پر ایمان لائے بلکہ ان میں کوئی امتیاز بھی نہ کریں اس بات کا عہد کریں کہ تمام انبیاء ہمارے (مسلمانوں) کے لیے برابر ہیں۔ لہٰذا اس عہد کے بعد عدم رواداری کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

ان دستوری بنیادوں پر تمام مذاہب کے پیروکار عمل پیرا ہوکر دنیا میں امن وسلامتی کی بنیاد رکھ سکتے ہیں جو کہ آج وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

۳۔ تیسری اہم دستوری بنیاد کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے یوں بیان کیا

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْ مِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. [۴]

دین اختیار کرنے میں کوئی زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔ پس جو جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔

اسلام نے ہم آہنگی ورواداری کے لیے ایک خوبصورت اُصول یہ بھی دیا کہ دین و مذہب جبر واکراہ کا معاملہ نہیں بلکہ یہ ذہنی اور دلی لگاؤ کا معاملہ ہیں۔ اس معاملہ میں کسی انسان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ اپنی فکری بنیاد پر جو فیصلہ کرتا ہے دوسرا انسان اس کو روک ٹوک نہیں کرسکتا۔ اس کا دائرہ بڑا وسیع کر دیا گیا ہے کہ انسان جس کو حق سمجھے اس کو اختیار کر لے۔ جبر واکراہ کے ساتھ اس تعلّق کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ اسلام نے انہی دستوری اُصولوں میں ایک بہت اہم بات یہ کی ہے کہ دینی اور مذہبی اختلافات کو نیکی، صلہ رحمی اور

ضیافت میں حائل نہیں ہونا چاہیے جس کے لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ--- [۵]

آج تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اوراہلِ کتاب کا کھاناتمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھاناان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے محفوظ عورتیں بھی حلال ہیں خواہ وہ اہلِ ایمان کے گروہ سے ہوں یا اُن قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔

ایک اوراہم بنیاد جس پر بین المذاہب رواداری کی بنیاد ہے وہ یہ کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئاً وَّلَایَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَا بًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [۶]

اے نبیؐ کہو! اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا ربّ نہ بنائے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ تمام اہلِ کتاب کو دعوت ہے کہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اگر توحید کو اپناتے ہیں تو اسلام کا ان کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ آیت ان کو دعوت دے رہی ہے کہ اتحاد و یکجہتی اختیار کرنے کی سعی کریں جس سے مذہبی رواداری کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

ان بنیادوں پر اسلام ایک ایسے خوبصورت معاشرے کے قیام کے لیے جو تعلیمات دیتا ہے اس میں تمام مخلوق اللہ کا کنبہ، حُسن وسلوک، شفقت ومحبت اور رواداری کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جس کی عملی مثالیں پہلی اسلامی ریاست مدینہ کے بانی پیغمبرآخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قائم کیں جو قابلِ غور ہیں۔

۱۔ اہلِ مکّہ اوراہلِ کتاب کے ساتھ رواداری کا سلوک

ایک بار رسول اکرم احرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل کے اُکسانے پر بد بخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور گندگی بھری اوجھڑی لاکر سجدے کی حالت میں آپ ا کے اوپر رکھ دی۔ کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی

سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا دوڑتی ہوئی آئیں اور اس گندگی کو آپ ا کے جسم مبارک سے ہٹا دیا۔[۷]

اہلِ مکہ سے نا اُمید ہو کر آپ نے دعوتِ اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے سرداروں نے دعوت قبول کرنے کی بجائے بُرا بھلا کہا اور لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جنھوں نے پتھر مار مار کر آپ ا کو لہولہان کر دیا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق اس وقت مختلف فرشتے آئے اور آپ ا سے اہلِ طائف کی تباہی کی اجازت چاہی مگر آپ نے فرمایا نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے مسلمان پیدا فرمائے گا۔[۸]

ابوسفیان کی بیوی ہندہ اسلام لانے سے قبل سخت ترین دشمن اسلام تھی۔ اس نے رسول اکرم ا کے چہیتے چچا حضرت حمزہؓ کو غزوہ اُحد میں شہید کروا کر ناک کان کٹوائے۔ سینہ چاک کرایا اور دل وجگر نکلوا کر کچا چبایا۔ فتح مکہ کے دن آپ ا کے بلند اخلاق اور بے مثال عفو ودرگزر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔ آپ ا نے اس کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔[۹]

حضرت حمزہؓ کو شہید کر کے ان کا سینہ چاک کرنے والا وحشی بن حرب تھا۔ جو ہندہ کا غلام تھا۔ (وحشی بن حرب کے لفظی معنیٰ ہیں جنگلی، لڑائی کی پیداوار) فتح مکہ کے بعد یہ طائف بھاگ گیا کیوں کہ اہل طائف ابھی اسلام نہیں لائے تھے مگر جب اہل طائف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو وحشی کے لیے جائے پناہ نہیں رہی اور جب مجبوراً دربارِ رسالت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا تو آنحضرت ا نے اس کا اسلام قبول فرما کر سب کچھ معاف فرمایا۔[۱۰]

عکرمہ بن ابی جہل اسلام لانے سے قبل باپ کی طرح سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ فتح مکہ کے دن خوف کے مارے یمن بھاگ گیا۔ ان کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی، حضور ا سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی اور عکرمہ جب دربارِ نبوت میں پہنچے تو حضور افرطِ خوشی سے اس کی طرف ایسے دوڑے کہ چادر مبارک جسمِ اطہر سے کھسک کر نیچے گر پڑی۔[۱۱]

صفوان بن اُمیہ قریش کے سرداروں میں سے تھا اور کٹر دشمنِ اسلام تھا۔ اس نے عمیر بن وھب کو بھاری رقم کی لالچ دے کر آنحضرت ا کے قتل کے ارادہ سے مدینہ بھیجا تھا۔ رسول اکرم کو وحی کے ذریعہ اس کے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی جب وہ خدمتِ اقدس میں پہنچا تو آپ ا نے اس کے اقدام سے پہلے ہی اس کے ارادے کی اطلاع اسے کر دی اور فرمایا کہ تمھارے اور صفوان کے درمیان خانہ کعبہ کے پاس فلاں فلاں

بات ہوئی تھی۔ یہ سن کر عمیر فوراً اسلام لے آیا۔ تاہم صفوان فتح مکہ کے دن بھاگا اور جدہ پہنچا جہاں سے یمن جانا چاہتا تھا۔ عمیر آپ ا کے پاس حاضر ہوئے اور صفوان کے لیے امان کی درخواست کی۔ آپ ا نے اپنا عمامہ مبارک بطورِ امان کی نشانی عطا فرمایا۔ صفوان عمیر کے ہمراہ دربارِ رسالتؐ میں پہنچا اور چار ماہ کی مہلت طلبی کی بعد میں اسلام قبول کیا۔[۱۲]

مسلمانوں کی خاطر ایک بار آپ ا نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے قرضہ لیا۔ مقررہ وقت ادائیگی سے قبل ہی وہ یہودی آیا اور آپ ا سے نامناسب اور گستاخانہ انداز سے پیش آیا۔ حضرت عمرؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور اس کی گردن اُڑانے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ ا نے فرمایا اے عمرؓ! تمھیں چاہیے کہ مجھے حُسنِ ادائیگی کی تلقین کرتے اور اسے حُسنِ طلب کی۔ پھر آپ ا نے نہ صرف اس کا قرض واپسی کا حکم فرمایا بلکہ حُسنِ سلوک کے طور پر بیس صاع زیادہ کھجوریں دینے کا حکم فرمایا۔ اس حُسنِ سلوک سے وہ یہودی متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔[۱۳]

عبداللہ بن اُبی بن سلول رئیس المنافقین، دل سے اسلام کا دشمن و بدخواہ تھا۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر بہانہ بنا کر اس نے مسلمانوں کی جمعیت (جو ایک ہزار پر مشتمل تھی) سے اپنے تین سو افراد جدا کر کے واپسی اختیار کی۔ یہ مشرکین و یہود کے ساتھ خفیہ ساز باز رکھتا اور مسلمانوں کے راز ان کو منتقل کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کی آپس میں لڑائی ہوگئی دونوں نے اپنی اپنی قوم کو پکارا۔ آنحضرت ا نے موقع پر پہنچ کر معاملہ رفع دفع کیا مگر عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں یعنی مہاجرین کو نکال دوں گا اور کہا کہ پیغمبر کے ساتھیوں سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کی تفصیل سورۂ منافقون میں آئی ہے۔ واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے میں بھی اس کا بنیادی کردار تھا۔ اس کے باوجود آپ ا نے ہمیشہ اس سے درگزر کا معاملہ فرمایا اور جب مرا تو آپ نے صحابہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنا کرتہ عنایت فرمایا جس میں اُسے دفن کیا گیا اور آپ ا نے اس کے لیے استغفار کیا۔[۱۴]

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہؓ آپ ا کی محبوب ترین بیوی، اور ابو بکرؓ جیسے یارِ غار اور افضل ترین صحابی کی صاحبزادی تھیں۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلایا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا۔ دشمنوں سے شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی بے عزتی، یہ باتیں انسان کے صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں تاہم رحمتِ عالم نے ان تمام کے ساتھ کیا کیا؟ واقعے کی تکذیب خود خدا نے قرآن

پاک میں کردی اوراس سے قبل آپ انے کسی طرح کوئی انتقام نہیں لیا۔[۱۵]

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنخضرت ا کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کوسخت تکلیف پہنچی تھی۔حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھی۔کفار نے مزاحمت کی۔ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کران کواونٹ سے گرادیا جس سے ان کوسخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔فتح مکہ کے بعد مجبوراً آستانۂ رحمت پر جھک آیااوراپنی جہالت اور قصور کا اعتراف کیا۔پھر کیا تھا بابِ رحمت سامنے کھلا تھااور دوست دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔[۱۶]

تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسانی رواداری،صبروتحمل، برداشت اور وسیع القلبی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے جس کا عشر عشیر بھی تاریخ عالم کے معلمین اخلاق کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔اس دن مکہ کے تمام ظالم و جابر کفار ومشرکین سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ان کواپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔آج ربِ کائنات نے ان تمام کوپیغمبر رحمت ا کے قبضے میں دے دیا تھا۔چاہتے تو چشمِ زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔اس حالت میں پیغمبر رحمت ا کی آواز اٹھی ''تمھیں معلوم ہے تمھارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟'' سب نے جواب میں کہا ''آپ کریم بھائی کے کریم بیٹے ہیں اور ہم آپ کی طرف سے رحم واحسان کے امیدوار ہیں''۔پھر کیا تھا دریائے رحمت اُمنڈ آیااوراہل مکہ کی ظلموں بھری تاریخ کو بہا کرلے گیا۔فرمایا

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ. [۱۷]

آج تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔جاؤتم سب آزاد ہو۔

ہجرت سے قبل یثرب (مدینہ) میں اوس وخزرج کے دودشمن قبیلوں کے علاوہ یہود کے مختلف قبائل اور دیگر مشرکین آباد تھے گویا مدینہ مختلف عقائد، قبائل اورنسلوں کی آماجگاہ تھا۔ہجرت کے بعد آپ انے ان تمام کوایک پلیٹ فارم پر جمع کیااوراس اتحادواتفاق کوقائم رکھنے کے لیے دنیا کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا۔ جس پر تمام کا اتفاق ہوااوراس کی رو سے آپ اکو مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔یوں مدینہ میں ایک مختلف الخیال عناصر پر مشتمل ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں میثاقِ مدینہ کی وجہ سے یہود، انصار، مہاجرین اور دوسرے قبائل ایک تنظیمی اتحاد میں شامل ہو گئے اور سب ایک دوسرے کے وجود کا اعتراف کرنے لگے۔[۱۸]

رسول اکرم اغیر مسلموں کومسجد میں ٹھہراتے۔ان کوان کے طریقے پر مسجد میں عبادت کرنیکی اجازت

دیتے۔ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا۔ آنحضرت ا کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے مسجد ہی میں نماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت ا نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبویؐ کے اندر نماز پڑھی۔[۱۹]

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا۔ جنازہ آپ ا کے سامنے آیا تو آپ احترامِ آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے۔[۲۰]

آپ ا نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد تمام یہودی قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات اُستوار کیے اور دیگر قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جن کی چند اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱- اس معاہدے میں شرکت کرنے والے ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۲- ہر فرقہ اپنے مذہبی شعائر کسی روک ٹوک کے بغیر ادا کر سکے گا۔

۳- ہر فرقہ کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔

۴- ایک دوسرے سے دھوکہ، ظلم اور غداری نہیں کریں گے۔[۲۱]

مذکورہ بالا دفعات ایک خوبصورت اور اعلیٰ معاشرے کی وہ اہم بنیادیں ہیں جن کی ہر دور میں ضرورت، اہمیت اور افادیت موجود رہتی ہے اور شاید عصر حاضر میں جب کہ لوگ مذہبی تعصبات اور مسلکی تفرقوں سے عاجز آ چکے ہیں اور نت نئے کمیشن ان مسائل کے حل کے لیے دنیا میں قائم ہو رہے ہیں اور زریں اصول آج بھی اتنے ہی موثر اور معتبر ہیں جتنے کہ چودہ سو سال قبل۔ پیغمبر ا نے امن و رواداری کے سلسلے میں جو اعلیٰ نمونے چھوڑے ہیں وہ قیامت تک دنیا کو دعوتِ فکر دیتے رہیں گے۔

ریاست مدینہ میں ایک شادی شدہ یہودی نے ایک شادی شدہ یہودن سے زنا کیا۔ جرم کے متعلق فیصلہ کے لیے یہودی علماء کا اجلاس ہوا جس میں انھوں نے طے کیا کہ یہ معاملہ نبی کریم ا کی خدمت میں بھیجا جائے تا کہ آپ ا اس کا فیصلہ فرمائیں۔ ملزمان کو آپ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ نبی مکرم ا مسجد نبوی سے اٹھے اہل یہود اور ان ملزمان سمیت از خود ان کی درسگاہ جہاں تورات کا درس ہوا کرتا تھا تشریف لے گئے اور تورات کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔[۲۲]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ تاریخ ساز میثاق دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں ۲۳ اور دوسرے میں ۲۴ دفعات شامل ہیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے

باہمی تعلقات اور حقوق وفرائض کی نشان دہی کرتا ہے جب کہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق وفرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔اس میثاق کی دفعات میں سے ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں ''مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے'' یعنی مدینہ میں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اختیار دیا گیا تھا۔تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کر لیجئے۔اس سے بڑھ کر مفاہمت بین المذاہب کا وسیع عملی مظاہرہ دیکھنا کہاں نصیب ہو گا؟[۲۳]

عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل میثاقِ مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمدا نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ، انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کو تحفظ ملا اور شہر امن کا گہوارہ بنا۔[۲۴]

یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ عداوت تھی لیکن اس کے باوجود آپ اان کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے، ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر کسی معاملے میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلا وجہ جانبداری نہ فرماتے، اس کی متعدد مثالیں ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ ایک مسلمان نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ انے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔[۲۵]

۹ رہجری کو فتح مکہ کے بعد نجران کے عیسائیوں کا وفد جو کہ ان کے ساتھ جیّد افراد پر مشتمل تھا شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔اس وقت آپ اعصر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔اس وفد نے مسجد نبویؐ میں داخل ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنی شروع کر دی۔بعض صحابہ ان کے اس عمل پر برہم ہو کر ان کو روکنے کے لیے دوڑے لیکن نبی محتشم انے صحابہ کو روک دیا۔چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی میں مکمل سکون کے ساتھ اپنے قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نماز ادا کی اور ازاں بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔[۲۶]

ایک اور مثال حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حبشہ سے نجاشی کی طرف سے ایک وفد بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ابہ نفسِ نفیس ان کی خاطر مدارت اور تواضع میں مصروف ہوگئے۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم آپ کے غلام ان کی خاطر مدارت کے لیے حاضر ہیں۔آپ کیوں زحمت فرماتے

ہیں۔آپ انے ارشادفرمایا

اِنَّھُمْ کَانُوْالَاَ صْحَابِنَا مُکْرِمِیْنَ وَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اُکَافِئَھُمْ. [۲۷]

''میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی۔اب میں چاہتا ہوں کہ میں ان کی خود خاطر مدارت کر کے ان کو صلہ دوں۔''

حالتِ جنگ میں رواداری کا حکم

تاریخ انسانیت میں یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ کوئی مذہب یا نظریہ تلوار کے بغیر نہیں پھیلا۔گویا تلوار اور جنگ غلبۂ دین اور افکار ونظریات کی ترویج کے لیے ایک ضروری چیز رہی ہے مگر اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جنگ کے اُصول مقرر کیے۔ورنہ اسلام سے قبل دیگر مذاہب والے مفتوحہ اقوام پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے اس کی کچھ مثالیں اس مضمون میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

آنحضرت انے دورِ جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترامِ آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہی و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک، کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگادی گئی۔[۲۸] رسول اکرم اکی وسعت ظرفی اور دوسروں کو برداشت کرنے کی اعلیٰ ترین مثال یہود کے مقدس مقام کوہِ سینا (مصر) کے ساتھ عیسائیوں کا کلیسا ''سینٹ کیتھرائن'' کی حفاظت اور عیسائیوں کے حقوق کے بارے میں ایک نامۂ مبارک تحریر فرمانا ہے۔حُسنِ اتفاق سے آج تک یہ کلیسا موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی تاریخ میں آپ اکا نامۂ مبارک بھی اصل حالت میں موجود ہے۔ڈاکٹر حافظ محمد ثانی لکھتے ہیں:

۶۲۷ء میں پیغمبر اسلام انے سینٹ کیتھرائن متصل کوہِ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطا کیے اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ

۱- عیسائیوں کے گرجاؤں، راہبوں کے مکانوں اور نیز زیارت گاہوں کو ان کے دشمن سے بچائیں۔

۲- تمام مضر اور تکلیف رساں چیزوں سے پورے طور پر ان کی حفاظت کریں۔

۳- ان پر بے جا ٹیکس نہ لگایا جائے۔

۴- کسی کو اپنی حدود سے خارج نہ کیا جائے۔

۵- کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۶- کسی راہب کو اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے۔

۷- کسی زائر کو زیارت سے نہ روکا جائے۔

۸- مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجے مسمار نہ کیے جائیں۔[۲۹]

اسلام نے تلوار کی زد کو میدانِ جنگ میں محض برسرِ پیکار افراد تک محدود رکھا اور دوسرے لوگوں سے تعرض نہ کرنے کی تاکید کی ہے، اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہلِ قتال (Combatants) اور دوسرے غیر اہل قتال (Non-Combatants) اہلِ قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً وعرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یعنی جوان مرد اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عقلاً وعرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضا، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے (دورانِ جنگ) طبقۂ اوّل کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقۂ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فوجیں شام کی طرف روانہ کیں تو ان کو دس ہدایات دیں۔ وہ ہدایات اسلامی تعلیماتِ جنگ کا خلاصہ ہیں۔ وہ ہدایات یہ ہیں، ۱- عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں، ۲- مُثلہ (اعضا کا کاٹنا) نہ کیا جائے، ۳- راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں، ۴- کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ فصلیں جلائی جائیں، ۵- آبادیاں ویران نہ کی جائیں، ۶- جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے، ۷- بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے، ۸- جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا کیا جاتا ہے، ۹- اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے، ۱۰- جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔[۳۰]

انسانی ہمدردی اور اس کے تقاضوں کا یہ عالم کہ حالت جنگ میں سپاہیوں کو حکم ہے کہ

فَقَدُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُوصِيُ بِاَنُ لَايَقُوُمَ الُجَيُشُ بِاِتُلَافِ زَرُعٍ اَوُقَطُعِ شَجَرٍ اَوُقَتُلِ الضِّعَافِ مِنَ الذُّرِيَّةِ وَالنِّسَاءِ وَالرِّجَالِ الَّذِيُنَ لَيُسَ لَهُمُ رَأْيٌ فِي الُحَرُبِ وَلَمُ يَشُتَرِكُوُافِيُهِ بِأَيِّ نَوُعٍ [۳۱]

''نبی کریم ﷺ اپنے لشکر کو وصیت فرمایا کرتے کہ وہ سرسبز کھیتوں کو برباد نہ کریں۔ درختوں کو نہ کاٹیں، کمزور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کریں جو جنگ کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی

طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔''

اب دیکھتے ہیں غیر مسلم رعایا کے بارے میں حضورا کے کیا فرامین ہیں:

اسلامی ریاست میں مسلم شہری اور غیر مسلم شہری یعنی ذمی، فوجداری اور دیوانی قوانین میں برابر ہیں یعنی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کا پورا قصاص لیا جائے گا۔

ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو قاتل کو نبی مکرم ا کے دور میں قصاص میں قتل کردیا گیا۔ حضور اکرم ا نے فرمایا:

''اَنَا اَحَقُّ مَنْ وَفّٰی بِذِمَّتِہٖ'' [۳۲]

''کہ میں سب سے زیادہ اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن ارقمؓ کو جو جزیہ کی وصولی کے لیے مقرر ہوئے رخصت کرتے وقت حضور اکرم ا نے ارشاد فرمایا:

فَقَالَ اَلاٰمَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوْ کَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوِانْتَقَصَهٗ اَوْا خَذَمِنْهُ شَیْئاً بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسِهٖ فَاَنَا حَجِیْجُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ [۳۳]

''اے عبداللہ کان کھول کر میری بات سن جس نے بھی کسی معاہدہ یعنی اہل ذمہ پر ظلم کیا یا اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اسے نقصان پہنچایا یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے روز میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔''

اور نبی اکرم ا کا یہ فرمان اس سے بھی زیادہ جامع اور زوردار ہے۔ حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

''کَانَ اٰخِرَ مَا تَکَلَّمَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ قَالَ اَحْفِظُوْنِیْ فِیْ ذِمَّتِیْ'' [۳۴]

''نبی اکرم ا نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا، اس پر آنچ نہ آنے دینا۔''

اسلامی ریاست کا دوسرا دور خلافتِ راشدہ سے شروع ہوتا ہے اس دور میں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ رواداری اور حقوق وفرائض کی جو تعلیم اور قوانین رائج کیے گئے وہ آج کے ترقی یافتہ معاشروں کے لیے راہنما اُصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی مثال حضرت عمر فاروقؓ کے بیت المقدس آمد کے موقع پر خلیفہ وقت اور

وہاں کے مقامی باشندوں کے درمیان جو معاملات طے پائے اس کی چند شرائط درج ذیل تھیں:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا مَا أَعْطَى عَبْدُاللهِ عُمَرُ أَمِيْرُالْمُؤْمِنِيْنَ أَهْلَ إِيْلِيَاءِ مِنَ الْأَمَانِ أَعْطَاهُمْ أَمَانًا لِأَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَلِكَنَائِسِهِمْ وَصُلْبَانِهِمْ وَسَقِيْمِهِمْ وَبَرِيْئِهِمْ وَسَائِرِمِلَّتِهِمْ إِنَّهُ لَاتُسْكَنُ كَنَائِسُهُمْ وَلَاتُهْدَمُ وَلَايُنْتَقَصُ مِنْهَا وَلَامِنْ حَيِّزِهَا وَلَامِنْ صَلِيْبِهِمْ وَلَامِنْ شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَايُكْرَهُوْنَ عَلَى دِيْنِهِمْ وَلَايُضَارُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ[۳۵]

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین نے ایلیاء والوں کو عطا کی۔ یہ امان ان کی جان و مال اور ان کے کنیسوں اور صلیبوں کے لیے ہے۔ ان کی ساری ملت، چاہے وہ بیمار ہوں یا تندرست سب شامل ہیں۔ ان کی عبادت گاہوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کو گرایا جائے گا۔ ان کے کنیسوں، ان کے ملحقات، ان کی صلیبوں اور ان کی جائیدادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔ دین کے بارے میں ان پر جبر و اکراہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان میں کسی کو آزار پہنچایا جائے گا۔

اسلام میں رواداری کی ان جامع تعلیمات کے عملی پہلوؤں کا اعتراف چند مستشرقین نے کھلے دل سے کیا ہے۔ فرانسیسی مستشرق موسیو سیڈ لیٹ (M.Sedillet) لکھتا ہے۔

''جو لوگ اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ان صریح علامات کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بُری خصلتیں مٹ گئیں جو مدت دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں۔ انتقام لینا، خاندانی عداوت کو جاری رکھنا، کینہ پروری اور جور و ظلم، دختر کشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کو قرآن نے مٹا دیا۔ ان میں سے اکثر چیزیں پہلے بھی یورپ میں تھیں اور اب بھی ہیں۔''[۳۶]

پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ اعتراف کرتا ہے:

''اگر اسلام جلوہ گر نہ ہوتا تو دنیا شاید زمانۂ دراز تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ یہ امر واقع ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امدادِ باہمی، علمی جد و جہد اور نوعِ انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں وہ سب کی سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر حکومتی نظاموں کا ڈھانچہ بدل دیا۔ دنیا کے اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کر دیا،

اسلام نے ایک ایسا مکمل نظامِ حیات پیش کیا جو مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے ایک رحمت ثابت ہوا، یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کے سامنے نہ صرف میری بلکہ ہر انصاف پسند انسان کی گردن جھک جانی چاہیے۔'' [۳۷]

دشمنانِ اسلام، اسلام کے بارے میں یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ اسلا تلوار کے زور سے پھیلا ہے حالاں کہ اسلام بلند اخلاق وکردار اور دل کو موہ لینے والی انسانی اقدار کے ذریعے پھیلا ہے۔ تاریخ میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ اسلام کو کسی پر زبردستی ٹھونسا گیا ہو۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کے بزورِ بازو پھیلانے کے شواہد موجود ہیں۔ عیسائی بادشاہ تھیوڈوسیوس نے غیر مسیحی عبادت کو موجبِ سزائے موت قرار دیا تھا، اس نے مندروں کو توڑنے، ان کی جائیداد ضبط کرنے اور عبادت کے سامانوں کو مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مصر کے آرچ بشپ تھیوفیلوس نے خاندان بطالسہ کا عظیم الشان کتب خانہ نذرِ آتش کردیا تھا۔ ان مظالم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بُت پرست رعایا نے تلوار کے خوف سے اس مذہب کو قبول کرلیا جس کو وہ دل سے پسند نہیں کرتی تھی۔ بددل اور بے اعتقاد پیروؤں سے مسیحی کلیسا بھر گئے۔ ۳۸ برس کے اندر روم کی عظیم الشان سلطنت سے وثنیت (بُت پرستی) کا نام ونشان مٹ گیا اور یورپ، افریقہ اور شرق اُردن میں تلوار کے زور سے مسیحیت پھیل گئی۔ [۳۸]

ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے The Preaching of Islam میں کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق وکردار کے زور سے پھیلا ہے۔ نیز مسلمانوں نے غیر مذہب والوں کو ہر جگہ مذہبی آزادی دی ہے۔ انھوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ کس کس جگہ عیسائی اقلیت میں اور مسلمانوں کے زیردست تھے۔ جنھیں بڑی آسانی سے بزورِ بازو مسلمان بنایا جاسکتا تھا مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر کسی جگہ بادشاہوں نے اس کا ارادہ بھی کیا تو مسلمان مفتیوں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا ہے۔ [۳۹]

وہ ایک دوسری جگہ اعتراف کرتا ہے:

''کوئی مذہب اسلام کی طرح روادار اور صلح کل نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس طرح مذہبی آزادی دی ہو، رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔'' [۴۰]

عام نوعِ انسانی کے ساتھ تعلقات کے معاملے میں اُصولی اندازِ فکر کا قرآن وسنّت کے اندر محبت، حُسنِ سلوک، حلم وشرافت اور محافظت کے الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے، خود رسول اللہ کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے دوستانہ رویہ رکھنے والے نجران کے عیسائی قبائل کے ساتھ جزیئے کا معاہدہ اور مدینہ کے

یہودی قبائل کے ساتھ امن وتعاون کا معاہدہ طے کیا۔ دوسری طرف آپ انے انہی یہودیوں کے بعض قبائل کے خلاف جنگ لڑی جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ یہ معرکے حالات کی مجبوریوں اور تدبیری ضروریات کے تحت ہوئے تھے۔[۴۱]

اسلام کی رواداری کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے اسلام پر دل سے قائم و دائم رہے۔''اسے آپ اکی قیادت کا اعجاز نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ سوائے خیبر (یہود) کے جس شہر اور جس قبیلے کو آپ انے فتح کیا وہ جان نثار اور معتقد بن گئے۔ یہ یقیناً اس لئے تھا کہ اسلام کی جنگیں ان کے قتل و غارت کے لیے نہیں بلکہ ہدایت وفلاح کے لیے ہوتی تھیں اور آپ اہر فاتح کی طرح حریف کے درپے آزار ہونے کے بجائے ان کے ہمدرد ہوتے تھے۔[۴۲]

مندرجہ بالا دلائل و براہین کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اسلام میں مذہبی ہم آہنگی و رواداری کے بارے میں یہ وہ دستوری بنیادیں ہیں جن پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ اصول ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ورُسل پر ایمان لائے اور ان تمام کا تذکرہ عظمت واحترام سے کرے۔ ان میں سے کسی نبی کے پیروکاروں پر کوئی زیادتی نہ کرے۔ ان کے ساتھ معاملات اور تعلقات اچھے رکھے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ نرمی سے گفتگو اور مکالمہ کرے، ان کا ایک اچھا پڑوسی ثابت ہو اور ان کی ضیافت قبول کرے، اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی کرسکتا ہے تاکہ خاندانوں کے درمیان تعلقات پیدا ہوں اور خونی رشتے قائم ہوں ___ پھر اسلام نے اسلامی حکومت پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے، اِن کے عقائد میں مداخلت نہ کرے، کسی مقدمہ کے فیصلے میں ان کے ساتھ ناانصافی نہ کرے۔ انسانی حقوق اور فرائض کے باب میں ان کو مسلمانوں کے مساوی درجہ دے، ان کی زندگی، ان کی آبرو اور مال، ان کے مستقبل کی حفاظت کی اس طرح ضمانت دے جس طرح وہ ایک مسلمان کی زندگی، اس کی آبرو اور مال، اس کے مستقبل کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے۔

یہ ہیں وہ بنیادیں جن پر اسلامی ریاست اور معاشرہ مذہبی ہم آہنگی و رواداری کا خوبصورت ماحول تشکیل دیتا ہے جس میں غیر مسلموں کو ان کے ادیان کی بنیاد پر معاشرہ اور سوسائٹی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں کسی مذہبی تعصب کی گنجائش نہیں ہوتی۔ غیر مسلم اپنے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد جو اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اس میں آپ گا یہی طرزِ عمل تھا اور خلفائے راشدینؓ اور بعد کی اسلامی حکومتوں نے انہی اُصولوں کے تحت ہم آہنگی و

رواداری کا طرزِ عمل جاری رکھا جس کے تحت غیر مسلموں کو اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز کیا۔ ان کے تہواروں میں جوش وخروش سے شرکت کی اور تحائف دیئے عبادت گاہوں کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ ان کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کیں۔ دو مختلف مذاہب کے پیروکار اکٹھے ایک دوسرے کے پہلو میں اپنی اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ مسلمان قبلہ رُخ کیے ہوئے ہوتے اور عیسائی مشرق کی جانب۔ یہ ایک نادر مظاہرہ تھا جو تاریخ میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی ریاست مذہبی تعصبات سے کس قدر پاک رہی اور کس طرح اس میں مذہبی ہم آہنگی ورواداری اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی لیکن جب سے مسلمانوں پر زوال آیا انھوں نے اپنے اُصولوں کو ترک کر دیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکامات کو بھول گئے اور دین سے دوری کی بنیاد پر مذہبی ہم آہنگی ورواداری کے خوبصورت عمل سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ البقرہ :۱۰۸

۲۔ سورۃ الشوریٰ:۱۳

۳۔ سورۃ البقرہ:۱۳۶

۴۔ سورۃ البقرہ:۲۵۶

۵۔ سورۃ المائدہ:۵

۶۔ سورۃ آلِ عمران:۶۴

۷۔ ابن حجر: فتح الباری، ج۱،ص۳۰۲

۸۔ بخاری: الجامع الصحیح طبع کراچی، ج۱،ص۴۵۸

۹۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری: الرحیق المختوم، طبع لاہور، ص۵۵۶

۱۰۔ ابن کثیر: البدایۃ والنھایہ، طبع بیروت، ج۴،ص۱۸

۱۱۔ محمد یوسف الکاندھلوی: حیاۃ الصحابہ، طبع دہلی، ج۱،ص۱۵۶

۱۲۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی ﷺ، ج۲،ص۲۲۳،۲۱۵

۱۳۔ الصالحی، محمد یوسف: سبل الھدیٰ والرشاد، طبع قاہرہ ۱۹۷۲ء، ج۷،ص۳۲

۱۴۔ البخاری: کتاب الجنائز ۱/۱۶۹،۱۸۰،۱۸۲، طبع کراچی

۱۵۔ شبلی نعمانی: سیرت النبی ﷺ، ج۲،ص۲۱۱

۱۶۔ ایضاً، ج۲،ص۲۱۵،۲۱۶

۱۷۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین ﷺ، طبع کراچی، ج۱،ص۱۲۹

۱۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۸؟ ص۷۵/ عون الشریف قاسم: نشأۃ الدولۃ الاسلامیہ فی عہد الرسول، قاہرۃ ۱۹۸۱ء، ص۴۱

۱۹۔ ابن قیم الجوزی: زادالمعاد، ج۱،ص۱۵

۲۰۔ بخاری: الجامع الصحیح، ج۱،ص۱۷۵

۲۱۔ محمد عزہ دروزہ: تاریخ بنی اسرائیل فی اسفارھم، بیروت، منشورات المکتبۃ العصریۃ ۱۹۶۹ء، ص۴۵۵

۲۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: حجازی، القاہرہ ۱۹۳۸ء، جلد۲،ص۱۹۳

۲۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی، ص۷۶

۲۴۔ محمد حسین ہیکل: حیاتِ محمدؐ، مطبعۃ الہضۃ المصریہ، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷

۲۵۔ سیرت النبی/ ج ۲، ص ۲۲۴

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ اسد سلیم شیخ: رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۱

۲۸۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی: رسول اکرم ﷺ اور رواداری، فضل سنز لمیٹڈ کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۹۲، ۱۹۳

۲۹۔ ڈاکٹر خالد علوی: انسانِ کامل ﷺ، الفیصل ناشران کتب لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۲ء، ص ۳۰۰، ۳۰۱

۳۰۔ ابن قیم الجوزیۃ: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، جلد ۳، ص ۶۳۰ و امام محمد ابوزہرہ: خاتم النبیین، قاہرہ، دار الفکر العربی، جلد ۲، ص ۱۱۲۹

۳۱۔ احمد بن زینی دحلان: السیرۃ النبویہ، مطبوعہ بیروت، المطبعہ الاہلیہ ۱۹۸۳ء جلد ۳، ص ۲۴۰

۳۲۔ امام محمد ابوزہرہ: خاتم النبیین۔ قاہرہ، دار لفکر العربی، جلد ۲، ص ۵۸۵

۳۳۔ الامام محمد بین محمود البابرتی: العنایۃ شرح الھدایہ، القاہرہ، التجاریہ الکبری، جلد ۸، ص ۲۵۶

۳۴۔ الامام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم: کتاب الخراج، القاہرہ المطبعہ المکتبۃ السلفیہ ۱۳۱۶ھ، ص ۱۵۰

۳۵۔ ابویعلی محمد بن الحسین القرا الحنبلی: الاحکام السلطانیہ،

۳۶۔ ایم سیڈ لیٹ: خلاصۂ تاریخ عرب، اردو ترجمہ عبد الغفار، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۳۴

۳۷۔ Arnold, Sir Thomas : The Preaching of Islam, London 1961, p277.

۳۸۔ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی: نصرانیت، قرآن کی روشنی میں، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷

۳۹۔ ٹی ڈبلیو آرنلڈ: دعوتِ اسلام، مفید عام پریس، آگرہ، طبع ۱۸۹۸ء ص ۴۴۸، ۴۴۹

۴۰۔ ایضاً، طبع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور، طبع ۱۹۷۲ء، ص ۳۹۸

۴۱۔ عبد الحمید احمد ابوسلیمان: اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر اور پس منظر، فینس بکس، لاہور، بار اوّل ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۵

۴۲۔ وقار احمد: غزواتِ سرورِ عالم ﷺ، تاج کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۸۷